مثنوی رومی میں ''طفل و کودک'' کی تمثیلات

خواجہ عبدالحمید یزدانی*

تانگرید ابر کی خندد چمن تانگرید طفل کی جوشد لبن

تمثیل کے معنی مثل اور مثال لانے کے ہیں اور اہل فن کے نزدیک یہ استعارہ کے متعلقات میں سے ہے ۔ بقول صاحب مراۃ الشعر تمثیل در اصل ایک قسم کی مرکب تشبیہ ہے جو تشبیہ کے درجہ سے بڑھتی ہوئی دلیل یا تاکید دلیل کے درجہ پر پہنچ گئی ہے ۔ مولانا شبلی کے لفظوں میں ہم یہ کہیں گے کہ شاعر پہلے تو کوئی دعویٰ کرتا ہے پھر اس کو واضح یا ثابت کرنے کے لیے کوئی شاعرانہ دلیل پیش کرتا ہے[1] ۔

تصوف و عرفان کے بیشتر مسئلے خاصے دقیق اور عوام کی سمجھ سے بالا ہیں ، اور اگرچہ بعض علما نے ان کی وضاحت کی ہے لیکن اس سے محض خواص ہی مستفید ہو سکے ۔ عارف روم اس بات سے بخوبی آگاہ تھے ، اس لیے انھوں نے الٰہیات و تصوف کے مختلف مسائل کو سہل اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کے لیے تمثیل کا سہارا لیا ۔ چنانچہ تمام مثنوی میں قصہ کہانی کا انداز چھایا ہوا ہے ۔ مولانا نے ، بقول شبلی ، ان لوگوں کو جو روکھے پھیکے علمی مضامین پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے ، قصے اور لطائف کی چاٹ سے اس طرف متوجہ کیا[2] ۔

رومی پہلے ایک دعویٰ کرتے ہیں ، پھر منطقی طور پر اس کی صداقت پر بحث کرتے ہیں ۔ اس کے بعد اکثر جگہوں پر انسانی زندگی کے واقعات روزمرہ کو جمع کرکے اپنے دعوے کو تجرباتی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں ۔ کئی مواقع پر احادیث نبوی اور آیات قرآن حمید لاتے ہیں جن سے ان کے دعوے کو تقویت پہنچتی ہے ۔ اس کے بعد تمام بحث سے ایک نتیجہ مرتب کرتے ہیں جس سے ان کا مقصد عوام کی اصلاح و درستی ہوتا ہے ۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں ۔

مولانا نے مثنوی میں سینکڑوں مقامات پر ''طفل و کودک'' کے الفاظ

*خواجہ عبدالحمید یزدانی ، استاد ادبیات فارسی ، گورنمنٹ کالج لاہور ۔

۱۔ مراۃ الشعراز عبدالرحمان صفحہ ۲۲۰ - ۲۲۱ ۔

۲۔ سوانح مولوی روم مطبوعہ سجاد پبلشرز صفحہ ۶۸ ۔

استعمال کیے ہیں اور اگر مثنوی کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو یقیناً اور بھی زیادہ مقامات پر یہ الفاظ اپنی کیفیات کے ساتھ ملیں گے ۔ میرے اندازے کے مطابق اوسطاً ہر تیسرے چوتھے صفحے پر یا تو بچوں کی کوئی مثال آ گئی ہے یا ویسے کسی رنگ میں ان کا ذکر ہے اور کئی ایک کہانیاں ایسی دی ہیں جن کا اہم کردار ہی بچہ ہے[۳] ۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا مولانا نے اپنے فلسفیانہ عقائد و خیالات کی تبلیغ کے لیے سب سے مؤثر اور سب سے آسان پیرایۂ اظہار (تمثیل) اختیار کیا ہے لیکن اور شعرا[۴] کے بر عکس انھوں نے تمثیلیں عام زندگی سے اخذ کی ہیں ؛ مثلاً کلیلہ و دمنہ[۵] کی طرح جانوروں اور پرندوں کی تمثیلات بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایسے ماحول میں سے کہانیاں لی ہیں جو ہر انسان کا دیکھا بھالا ماحول ہے ، یعنی گھریلو ماحول اور پھر ابلاغ عقائد و فلسفہ کو مزید آسان کرنے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں

۳۔ چند ایک یہ ہیں : ایک یہودی بادشاہ کا ایک مومنہ کے بچے کو آگ میں ڈالنا ۔ ایک بچے کا اپنے باپ کے تابوت کے سامنے رونا ۔ بچوں اور استاد کی کہانی جس میں بچے استاد کو بیاری کے شک میں ڈالتے ہیں ۔ ایک بچے کا ناودان میں پھنس جانا اور اس کی ماں کا حضرت علی کے پاس آنا ۔ حضور نبی کریم صلعم کے بچپن کا واقعہ جب آپ مائی حلیمہ سے بچھڑ گئے تھے ۔ بچوں کا ایک شخص کو دیکھ کر ڈر جانا ۔ ایک کافرہ کا حضور صلعم کو آزمانے کے لیے اپنا شیر خوار بچہ آپ[۶] کے پاس لانا اور بچے کا بول پڑنا ۔ شیخ بہلول کا بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہنا ۔ حضرت موسیٰ کی ولادت پر فرعون کا بنی اسرائیل کی زچہ عورتوں کو اکٹھا کرنا ۔ خدا تعالیٰ کا عزرائیل سے پوچھنا کہ تجھے جان قبض کرتے وقت کس پر سب سے زیادہ رحم آیا اور سب سے آخر میں وہ تمثیل جس میں ماں بچے کی گفتگو ہے . . . وغیرہ ۔

۴۔ بعض یورپی شعرا نے بھی اس انداز کو اپنایا ہے لیکن اس میں وہ مولانا کا سا رنگ نہ پیدا کر سکے ۔ مثلاً ایڈمنڈ سپنسر (Edmund Spenser) نے فیئری کوئین کی تمثیل میں لفظی تصویریں تو کھینچی ہیں لیکن کردار اور واقعات ایسے ہیں جو عام زندگی میں نہیں پائے جاتے ۔ اسی طرح John Bunyan نے بھی اپنی کتاب نثر Pilgrims Progress میں تمثیلی انداز میں بڑے الجھے ہوئے کردار پیش کیے ہیں ، ایسے کردار جو مذہب و عقائد کی گمبھیر فضا میں دھندلا گئے ہیں ۔

۵۔ دفتر دوم میں مولانا فرماتے ہیں :

این کلیلہ و دمنہ جملہ افتریست ورنہ کی با زاغ لکلک را مریست
ای برادر قصہ چون پیمانہ ایست معنی اندر وی بسان دانہ ایست

تک پہنچانے کے لیے اس ماحول کے ایک طرح سے محور یعنی بچے[۶] کو اپنی تمثیلوں کا زیادہ تر مرکز بنایا ہے ۔

مولانا بچوں کی تمثیلات اس کثرت سے کیوں لائے ہیں؟ اس کا جواب ان تمثیلات کے تجزیے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے ۔ میرے خیال میں مولانا کو بچوں سے بہت ہی زیادہ رغبت و محبت تھی جس کا انھوں نے جہاں عملی اظہار کیا ہوگا وہاں اپنے اشعار میں بھی وہ کسی نہ کسی رنگ میں بچوں کا ذکر کیے بغیر نہ رہ سکے ، اس لیے کہ انسان کا میلان طبع جس چیز کی طرف زیادہ ہوتا ہے اسی کا وہ بکثرت اظہار کرتا ہے ۔ مثنوی میں بچوں کا اس قدر ذکر دیکھ کر فقط یہ کہہ کر آگے نہیں گزرا جا سکتا کہ یہ سب کچھ مولانا نے محض مواد کے حصول کی خاطر کیا ہے ، اس کا ضرور کوئی پس منظر ہو گا ۔ اہل تحقیق کو مولانا کے اس پہلو پر روشنی ڈالنا چاہیے ۔

بہر حال مولانا نے بچوں کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے ۔ بچوں کی معصومیت ، ان کی شرارتیں ، کھیل کود ، بے فکری ، ان میں موقع و مصلحت کے مطابق بات کرنے کی سمجھ نہ ہونا اور اسی سبب سے اکثر دوسروں کے سامنے اپنے ہی گھر والوں کا بھانڈا پھوڑ دینا ، ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا ، دوسروں کی نقل اُتارنا ، کسی لالچ پر مکتب جانا وغیرہ ، غرض ان کے ہر ہر پہلو کو لیا ہے اور اپنے عقاید و فلسفہ کو عام فہم بنانے کی خاطر ان کی تمثیلات کا سہارا ڈھونڈا اور مثنوی کے لیے اچھا خاصا مواد فراہم کیا ہے ۔

بچوں کی معصومیت اور ان کے لوح دل کی پاکیزگی سے وہ بے حد متاثر ہیں کہ یہی صفات اہل اللہ کی ہیں ۔ ان کے دل ہر قسم کی ریاکاری اور مکر و فریب سے پاک ہوتے ہیں ۔ بچے کی معصومیت اور لوح دل کی پاکیزگی گو اختیاری نہ سہی بہر طور معصومیت تو ہے ۔ اس کے ساتھ ہی مولانا کئی ایک مقامات پر ''طفل و کودک'' کو ناپختگی و نادانی ، طالب دنیا اور آخرت سے بے پروا انسان کی علامت کے طور پر لائے ہیں ۔

۶۔ ورڈزورتھ بھی Ode on Immortality میں بچے کی تمثیل لایا ہے جس میں اس نے بچے کے ذریعے ایک خاص فلسفے کا اظہار کیا ہے ۔ لیکن اس میں اس کی توجہ نہ تو بچے کی شوخیوں پر ہے ، نہ سادگی پر اور نہ اس کی کمزوریوں پر ، بلکہ وہ بچے کو انسانوں کا ہیرو ثابت کرتا اور اس سے بھی بڑھ کر اسے پیغمبر کے لقب سے پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ معمر لوگ تمام کے تمام اندھے ہیں اور اگر کوئی دیکھنے والی آنکھ ہے تو وہ صرف بچے کی ہے ۔ اور اس طرح ورڈزورتھ ذہین ناقدین کے خیال کے مطابق حقیقت سے دور چلا گیا ہے ۔

جب تک بچہ نہ روئے ماں اسے دودھ نہیں دیتی ۔ اس کا یہ رونا اس قدر مؤثر ہوتا ہے کہ ماں ضروری سے ضروری دھندا بھی چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے ۔ یا جب بچے کو بھوک لگی ہو تو خود ماں کا دودھ جوش مارنے لگتا ہے ۔ چونکہ ''حضورِ حق گریہ و زاری'' مولانا کا خاص موضوع ہے اور ان کے مطابق یہ گناہوں کی بخشش کا بہترین وسیلہ ہے ، اس لیے وہ جگہ جگہ اس کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں جہاں بھی موقع ملتا ہے یہی ''بچے کے رونے اور ماں کے دودھ دینے'' کی تمثیل لاتے ہیں ۔ یعنی جس طرح بچے کے رونے یا اسے بھوک لگنے پر ماں کا دودھ جوش مارنے لگتا ہے ، اسی طرح رحمت ایزدی بھی اس موقع کی تلاش میں رہتی ہے کہ کب کوئی اس کے حضور گریہ و زاری کرے اور اللہ جل جلالہ اسے بہانہ بنا کر اس انسان کو اپنی بے پایاں بخشش سے نواز دے ۔ ماں کی مامتا ، محبت و شفقت کی معراج ہے ۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خاص بندوں سے جو لگاؤ ہے ، مولانا اسے ماں کی مامتا سے تشبیہ دیتے اور اسی سبب سے اولیاء اللہ کو ''اطفال حق'' کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔

اب یہاں ان مختلف مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے جہاں مولانا نے ''طفل و کودک'' کی تمثیلات ، بجز دو ایک تکرار کے ، ہر مرتبہ نئے انداز اور انوکھے زاویے سے پیش کی ہیں ۔ ان تمثیلات کو پورے طور پر سمجھنے کے لیے مختصر الفاظ میں کہانی کا سیاق و سباق دے دیا ہے لیکن بعض ایک جگہ طوالت سے بچنے کے لیے محض عنوان پر ہی اکتفا کیا ہے ۔

دفتر اول(شعر ۶۲۱ ببعد) میں ایک جگہ حضرت موسیٰ اور فرعونی ساحروں کے درمیان معجزے اور سحر کے مقابلے کا ذکر ہے ۔ ساحر شکست کھا جاتے اور حضرت موسیٰ کی تعظیم کرتے ہیں ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ موسیٰ نے ساحروں کی تعظیم خرید لی اور ساحروں نے چونکہ ان کی قدر نہ پہچانی اس لیے اس جرم میں اپنے دست و پا کھو بیٹھے ۔ اب یہاں مولانا جو فلسفہ بیان کرنا چاہتے ہیں ، اسے بچوں ہی کی تمثیل میں پیش کرتے ہیں :

کودک اول چون بزاید شیر نوش — مدتی خامش بود او جملہ گوش
مدتی میبایدش لب دوختن — از سخنگویان سخن آموختن
تا نیاموزد نگوید صد یکی — ور بگوید حشو گوید بی شکی
ور نباشد گوش ''تی تی'' میکند — خویشتن را گنگ گیتی میکند
کتر اصلی کش نبود آغاز گوش — لال باشد کی کند در نطق جوش

دفتر اول شعر ۳۴۳۰ ببعد ہی میں ایک مقام پر ''اپنا حال اور مستی چھپانی چاہیے'' کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ''حکیم بردہ'' کے الفاظ سن اور وہ یہ

کہ ''سر وہیں رکھو جہاں شراب پی ہے''[۷] ۔ اس انداز میں مست میخوار اور بچوں کا ذکر کر کے تمثیل کا رخ دوسری جانب موڑ دیتے ہیں ۔ جہاں انھیں یہ کہنا مقصود ہے کہ اہل دنیا ہوا و ہوس کے غلام ہیں ، اس ہوا و ہوس اور لہو و لعب سے صرف اللہ والے محفوظ ہیں ، اس بنا پر دنیا کے طالب بچے ہیں جو کھیل کود میں مصروف ہیں اور اہل اللہ بالغ کہ اپنی عاقبت و آخرت کی طرف متوجہ ہیں :

خلق اطفالند ، جز مست خدا — نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا
گفت ''دنیا لعب و لہو است و شما — کودکید'' و راست فرماید خدا
از لعب بیرون نرفتی ، کودکی — بی زکات روح کی باشی زکی
جنگ خلقان ہمچو جنگ کودکان — جملہ بی معنی و بی مغز و مہان
ہمچو طفلان جملہ تان دامن سوار — گوشۂ دامن گرفتہ اسب وار

دفتر دوم شعر ۳۹۲ ببعد میں شیخ احمد خضرویہ کی کہانی ہے جس کا اہم کردار ایک ''کودک'' ہی ہے ۔ اس کہانی میں مولانا کودک کی بجائے کسی بالغ کو بھی کردار بنا سکتے تھے لیکن چونکہ انھیں یہ دکھانا مقصود تھا کہ بچے کی گریہ و زاری سے قدرت خداوندی بہت جلد جوش میں آ جاتی ہے اس لیے اس میں اہم کردار بچے ہی کو بنایا ۔ دوسرے اسی تمثیل کا سہارا لے کر انھیں اپنے مرغوب فلسفۂ گریہ و زاری کو بھی عام فہم اور مؤثر طریقے سے پیش کرنا تھا ۔ حلوا فروش بچے کو جب حلوے کے دام نہیں ملتے تو وہ ڈرتا ہے کہ اگر خالی ہاتھ گیا تو اُستاد اسے بری طرح پیٹے گا ۔ اس خیال سے وہ رونے لگتا ہے اللہ کے حضور میں انسان کا اسی طرح کا رونا اور گریہ و زاری ، جو خوف اور ڈر کے سبب ہو ، رحمت ایزدی کو جوش میں لانے کا بہترین وسیلہ ہے ۔ اب ذرا شیخ اور کودک حلوا فروش کی تمثیل ملاحظہ ہو ۔ شیخ احمد خضرویہ اپنی سخاوت کے سبب

۷۔ حکیم بردہ ۔ حکیم سنائی ۔ لکھنؤ ، کانپور اور لاہور ایڈیشنوں میں ''حکیم پردہ'' ہے اور اس کی عجیب عجیب شرحیں دی ہیں ۔ لیکن میرے پیش نظر جو ایرانی ایڈیشن رہا ہے (آفسٹ بخط سید حسن میر خانی) اس میں بردہ ب کے ساتھ ہے ۔ بہرحال سنائی کا شعر اس طرح ہے :

بر ندار از مقام مستی پی — سر بہانجا بنہ کہ خوردی می

(بحوالہ مفتاح العلوم شرح مولانا روم مطبوعہ لاہور دفتر اول حصہ چوتھا صفحہ ۱۵۳ - پیرابن یوسفی مطبوعہ لکھنؤ جلد اول صفحہ ۲۹۰)

مولانا کا شعر اس طرح ہے :

بشنو الفاظ حکیم بردۂ — سر بہانجا نہ کہ بادہ خوردۂ

ہمیشہ مقروض رہتے ہیں ۔ ایک موقع پر ان کے قرض خواہ تقاضا کرنے آتے اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں ۔ اسی اثنا میں :

کودکی حلوہ ز بیرون بانگ زد لاف حلوا بر امید دانگ زد

شیخ اپنے خادموں کو اشارہ کرتے ہیں کہ اس سے حلوا خرید کر قرض خواہوں کو کھلا دو تاکہ وہ کچھ دیر کے لیے مجھے ''تلخی'' سے نہ دیکھیں ۔ خادم بھاؤ تاؤ کر کے حلوے کا تھال اس چھوکرے سے لے لیتا اور قرض خواہوں کو کھلا دیتا ہے ۔ پھر :

چون طبق خالی شد آن کودک ستد گفت ''دینارم بدہ ای پُر خرد''

اس پر شیخ کہتے ہیں پیسا کہاں ؟ میں تو پہلے ہی مقروض ہوں اور سوے عدم جا رہا ہوں ۔ یہ سن کر :

کودک از غم زد طبق را بر زمین ناله و گریه بر آورد و حنین
ناله میکرد و فغان و ہا ی ہای کای مرا بشکسته بودی ہر دوپای
کاشکی من گرد کلخن گشتمی بر درِ این خانقه نگذشتمی

پھر وہ بچہ :

پیش شیخ آمد که ای شیخ درشت تو یقین دان که مرا اُستا بکشت
گر برِ اُستا روم دست تہی او مرا بکشد ، اجازت می دہی ؟

اب وہ قرض خواہ بھی اٹھے اور شیخ کو ڈانٹنے لگے کہ تم نے ایک تو ہمارا روپیہ دبایا اور اب اس بچے پر یہ ظلم ۔ آخر کس لیے ؟ غرض :

تانماز دیگر آن کودک گریست شیخ دیده بست و بر وی ننگریست

شیخ نے ایک ہی خاموشی اختیار کر لی اور کسی کے طعن و تشنیع کی پروا نہ کی ۔ نماز دیگر کے وقت ایک خادم ایک ڈھکا ہوا طبق لاتا ہے کہ فلاں صاحب نے بھیجا ہے ۔ اس میں چار سو دینار علیحدہ اور آدھا دینار ورق میں لپٹا ہوا علیحدہ ہے ۔ حاضرین یہ منظر دیکھ کر اسے شیخ کی کرامت پر محمول کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم سے سخت حماقت ہوئی ہے ، ہمیں معاف فرمائیے ۔ شیخ انہیں معاف کر دیتے اور فرماتے ہیں :

سِرّ این آن بود کز حق خواستم لاجرم بنمود راه راستم
گفت این دینار اگرچه اندکست لیک موقوف غریو کودک است
تا نگرید کودک حلوا فروش بحر بخشائش نمی آید بجوش

اب مولانا فرماتے ہیں :

ای برادر طفل ، طفل چشم تست کام خود موقوف زاری دان نخست

کام تو موقوف زاری" دلست بی تضرع کامیابی مشکل ست

دفتر دوم ہی کی ایک حکایت ''اعتماد کردن بر تملق و وفای خرس'' میں بھی گریہ و زاری کی فضیلت بیان کرتے وقت بچے کی تمثیل لائے ہیں کہ جس طرح ماں بچے کو دودھ وغیرہ پلانے کے بہانے ڈھونڈتی ہے ، اسی طرح اللہ جل جلالہ کی رحمت بھی جوش میں آنے اور نوازنے کے بہانے کی متلاشی رہتی ہے ، لہذا اسے رو کر پکارو اور مایوس نہ ہو :

زاری و گریہ قوی سرمایہ ایست رحمت کلی قوی تر دایہ ایست

دایہ و مادر بہانہ جو بود تا کہ کی آن طفل گریان میشود

طفل حاجات شما را آفرید تا بنالید و شود شیرش مزید

گفت ادعو اللہ[۸] بیزاری مباش تا بجوشد شیرہای مہرباش

(شعر ۱۹۵۱ ببعد)

اسی طرح کی ایک تمثیل بادشاہ کے باز اور بوڑھی عورت کی کہانی میں آئی ہے :

من کریمم نان نمایم بندہ را تا بگریاند طمع آن زندہ را

بینیٔ طفلی بمالد مادری تا شود بیدار و واجوید خوری

کو گرسنہ خفتہ باشد بی خبر و آن دو پستان میخلد از بہر در

(دفتر دوم ، شعر ۳۶۱ ببعد)

اسی موضوع سے متعلق دفتر پنجم (شعر ۱۳۱ ببعد) میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ایک کافر مہمان کی داستان ہے ۔ یہ مہمان رات کو کسی سبب سے ، سوتے میں اپنے پاجامے میں حاجت کر دیتا ہے ۔ صبح گندگی کا ڈھیر دیکھ کر اسے بڑی ندامت ہوتی ہے ۔ حضور صبح دروازہ کھول کر ایک طرف چھپ جاتے ہیں تاکہ اس کو شرمندہ نہ ہونا پڑے اور وہ جلدی سے نکل جائے ۔ ایسا ہی ہوتا ہے ۔ لیکن کچھ دور جا کر اسے وہاں بھولی ہوئی اپنی کوئی چیز یاد آ جاتی ہے ۔ حرص شرمندگی پر غالب آتا ہے ۔ چنانچہ وہ اپنی چیز لینے کے لیے واپس اس طرف مڑتا ہے ۔ وہاں آ کر دیکھتا ہے کہ حضور اپنے دست مبارک سے وہ گندگی دھو رہے ہیں ۔ اس کا اس پر اتنا گہرا اثر ہوتا ہے کہ وہ اپنی چیز بھول جاتا اور نالہ و زاری کر کر کے اپنا گریبان پھاڑ لیتا ہے :

۸۔ سورۂ بنی اسرائیل آیہ ۱۱۰ ۔ آپ فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے ، سو اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں ۔

ہر زمان میکرد رو بر آسمان — کہ ''ندارم روی این قبلہ جہان''
چون ز حد بیرون بلرزید و طپید — مصطفٰی اش در کنار خود کشید
ساکنش کرد و ہمی بنواختش — دیدہ اش داد و بداد اشناختش
تا نگرید ابر کی خندد چمن — تا نگرید طفل کی جوشد لبن
طفل یکروزہ ہمی داند طریق — کہ بگریم تا رسد دایہ شفیق
تو نمیدانی کہ دایۂ دایگان — کم دہد بی گریہ شیرت رایگان
گفت ''ولیبکو کثیراً''۹ گوشدار — تا بریزد شیر فضل کردگار
چشم گریان بایدت چون طفل خُرد — کم خور این نان راکہ نان آب تو برد

ایک جگہ ''طعنہ زدن بیگانہ ای در شان شیخی'' میں یہ نصیحت کی ہے کہ اہل حق پر بہتان طرازی نہ کرو کہ اس بارے میں جو کچھ بھی تم کہو گے وہ تمہارا ذاتی خیال ہوگا ۔ معاملہ حقیقت میں ویسا نہ ہوگا اور اگر ہو بھی تو بحر قلزم کو مردار جانور سے کیا اثر پڑتا ہے ۔ دلیل وغیرہ کی ضرورت نفس کو ہے ۔ واصلان حق کو دلیل سے فراغت ہے اور اگر کسی ''مرد وصال'' نے کوئی دلیل کہی ہے تو اصحاب جدال کو سمجھانے کی خاطر کہی ہے ۔ اس کی مثال اس طرح ہے :

بہر طفلی نو پدر تی تی کند — گرچہ عقلش ہندسۂ گیتی کند
کم نگردد فضل استاد از غلو — گر ''الف چیزی ندارد'' گوید او
پس ہمہ خلقان چو طفلان ویند — لازمست آن پیر را در وقت پند

(دفتر دوم ، شعر ۲۳۱۵ ببعد)

اسی طرح کہنا یہ مقصود ہے کہ جس امت میں حق کی لگن ہے اس کے لیے پیمبر کا چہرہ اور آواز ہی معجزہ ہے یعنی وہ امت کسی دعوے اور دلیل کی طالب نہیں ہوتی ۔ اس مقام پر مولانا نے بہت سی مثالیں دی ہیں : مثلاً یہ کہ جب کوئی شخص اپنے کسی عزیز کے یہاں جاتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ میں تمہارا فلاں ہوں بلکہ وہ اپنی آواز ہی سے پہچانا جاتا ہے ۔ اور کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ :

یا بطفل شیر ، مادر بانگ زد — کہ ''بیا من مادرم ہان ای ولد''
طفل گوید ''مادرا حجت بیار — تاکہ باشیرت بگیرم من قرار'' ؟

(دفتر دوم ۔ شعر ۳۵۹۶ ببعد)

۹۔ التوبہ ، آیہ ۸۲ ۔ سو تھوڑے دنوں (دنیا میں) ہنس لیں اور بہت دنوں (آخرت میں) روتے رہیں ، ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ (کفر و نفاق و خلاف) کیا کرتے تھے ۔

لاف زنی اور بے جا فخر و مباہات بری چیز ہے ۔ کسی وقت بھی بھانڈا پھوٹ سکتا اور بے حد ذلت و رسوائی کا باعث بن سکتا ہے ، اس لیے امتحانات قضا سے بچنا چاہیے ۔ اس سلسلے میں رومی نے جو تمثیل ایک لاف زن پہلوان کی دی ہے اس میں بھی اہم کردار بچے ہی کا ہے ۔ بچوں کو موقع محل کے مطابق بات کرنے کی سمجھ نہیں ہوتی ۔ وہ تو جو کچھ دیکھتے ہیں کہ ڈالتے ہیں ، خواہ اس سے اپنوں ہی کی ذلت و رسوائی ہوتی ہو ۔ اسی وجہ سے اس تمثیل میں بچے کا کردار نہایت موزوں کردار ہے ۔ ایک پہلوان اپنے دوستوں میں ہر وقت یہی ڈینگیں مارتا ہے کہ وہ دنبے کا گوشت کھاتا ہے حالانکہ اسے پیٹ بھر روٹی بھی میسر نہیں ہوتی ۔ دراصل اس کے پاس دنبے کی ایک کھال ہے ۔ جس وقت بھی وہ گھر سے باہر نکلتا ہے اس کھال سے اپنے ہونٹوں اور مونچھوں کو تر کر لیتا ہے ۔ ایک روز بلی وہ کھال اڑا لے جاتی ہے ۔ گھر والے اس کے پیچھے بھاگتے ہیں لیکن وہ بچ نکلتی ہے ۔ اب ذرا بچے کا کردار ملاحظہ ہو :

از پی گربہ دویدند ، او گریخت　　کودک از ترس عتابش رنگ ریخت
آمد اندر انجمن آن طفل خرد　　آبروی مرد لافی را ببرد
گفت : آن دنبہ کہ ہر صبحی بدان　　چرب می کردی لبان و سبلتان
گربہ آمد ناگہانش در ربود　　بس دویدیم و نکرد آن جہد سود

(دفتر ۳ ۔ شعر ۷۵۹ ببعد)

پہلوان بے حد شرمندہ ہوتا اور خاموشی اختیار کر لیتا ہے ۔ احباب پہلے تو ہنس دیتے ہیں ، پھر انہیں اس کی حالت پر رحم آ جاتا ہے اور وہ اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے ہیں ۔ اس طرح پہلوان راستی کی طرف مائل ہو جاتا ہے ۔

اردو کا ایک شعر ہے :

دل گیا رونق حیات گئی　　غم گیا ساری کائنات گئی

کچھ یہی کیفیت مولانا کے یہاں ہے ۔ ان کے نزدیک غم کی اہمیت بہت ہے ۔ ہنسنا کھیلنا بچوں کا کام ہے ۔ دانا کو تو آخرت کی فکر لگی رہتی ہے ۔ اسے ہنسی کہاں میسر ؟ حضرت مریمؑ اور روح القدسؑ کے قصے میں یہ تمثیل اس طرح لائے ہیں :

چونکہ قبض آمد تو در وی بسط بین　　تازہ باش و چین میفگن برجبین
کودکان خندان و دانایان ترش　　غم جگر را باشد و شادی ز شش
چشم کودک ہمچو خر در آخور است　　چشم عاقل در حساب آخر است
او در آخور چرب می بیند علف　　وین ز قصاب آخرش بیند تلف

(دفتر ۳ ۔ شعر ۳۷۳۰ ببعد)

اسی میں آگے جا کر سنائی غزنوی کے حوالے سے کہتے ہیں :

غم خور و نان غم افزایان مخور　　زانکہ عاقل غم خورد کودک شکر
قند شادی میوۂ باغ غم ست　　این فرح زخمست و آن غم مرہمست

''خبر دادن خروس از مرگ خواجہ'' میں فرماتے ہیں انسان جو کچھ کرتا ہے کسی غرض اور بدلے ہی کے لیے کرتا ہے ۔ سالک اپنی بقا کے لیے ریاضت کرتا ہے ۔ ایثار و عمل والا بھی اسی وقت ایثار کرتا ہے جب وہ اس کا نعم البدل دیکھتا ہے ۔ ایک صرف خدا ہے جو بغیر کسی امید کے نفع دیتا ہے ۔ یا پھر :

یا ولی حق کہ خوی حق گرفت　　نور گشت و تابش مطلق گرفت
کو غنی است و جز او جملہ فقیر　　کی فقیری بیعوض گوید کہ گیر
تا نبیند کودکی کہ سیب بست　　او پیاز گندہ را ندہد ز دست

(دفتر ۳ ۔ شعر ۳۳۵۳ ببعد)

تیسرے ہی دفتر میں ایک بچے کی کہانی ہے جو ڈھول پیٹ کر کھیت سے پرندے اُڑاتا ہے ۔ کسی موقع پر وہاں محمود غزنوی کا لشکر خیمہ زن ہوتا ہے ۔ ایک روز ان کا ایک اونٹ جس پر نقارہ رکھا رہتا اور ضرورت کے وقت بجایا جاتا ہے اس کھیت میں در آتا ہے ۔ بچہ حفاظت کی خاطر ڈھول پیٹنے لگتا ہے ۔ کوئی عاقل اسے کہتا ہے کہ ڈھول نہ پیٹو یہ تو اس آواز کا عادی ہے اور :

پیش او چبود بتوراک تو طفل　　کہ کشد او طبل سلطان بیست کفل

اس پر مولانا فرماتے ہیں :

عاشقم من کشتۂ قربان لا　　جان من نوبتگہ طبل بلا
خود بتوراکست این تہدید ہا　　پیش آنچہ دیدہ است این دیدہا

(دفتر ۳ ۔ شعر ۴۰۹۷ ببعد)

اسی طرح خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بچے کی تمثیل اس طور لائے ہیں :

تابہ از جان نیست ، جان باشد عزیز　　چون بہ آمد نام جان ، شد چیز نیز
لعبت مردہ بود جان طفل را　　تا نگشت او در بزرگی طفل زا
این تصور وین تخیل لعبت است　　تا تو طفلی پس بدانت حاجتست
چون ز طفلی رست جان شد در وصال　　فارغ از حس است و تصویر و خیال

(ایضاً ، ۴۱۰۰ ببعد)

جس طرح بچے ٹھیکریوں کے ساتھ کھیلتے اور ان ٹھیکروں کو سونے کا کہہ کر دامن میں رکھ لیتے ہیں اسی طرح دنیا پرستی یا زرپرستی بھی ایک طفلانہ کھیل ہے ۔ یہ زر سراسر زر کاسد یا دوسرے لفظوں میں ڈھلتی چھاؤں ہے ۔ انسان کو زر ابدی کا طالب ہونا چاہیے جس میں کوئی کھوٹ ہے نہ کوئی نقصان ۔ بچوں کی

یہ تمثیل تیسرے دفتر میں ''قصہ مہمان مسجد مہمان‌کش'' میں آئی ہے ۔ ایک آدمی کسی مسجد میں اترتا ہے ، وہاں اسے ڈھول کی آواز سنائی دیتی ہے ۔ وہ اس سے ڈرتا نہیں بلکہ کہتا ہے کہ اگر کوئی ہے تو سامنے آئے ۔ اسی وقت وہ آواز ختم ہو جاتی اور زر گرنا شروع ہو جاتا ہے جسے وہ شخص اکٹھا کرنے لگ جاتا ہے ۔ اس پر مولانا فرماتے ہیں :

این زر ظاہر بخاطر آمدہ است — در دل ہر کور دون زر پرست
کودکان اسفالہا را بشکنند — نام زر بنہند و در دامن کشند
اندر آن بازی چو گوئی نام زر — آن کنددر خاطر کودک گزر
بل زر مضروب ضرب ایزدی — کو نگردد کاسد آمد سرمدی

(دفتر ۳ ۔ شعر ۴۳۵۹ بعد)

''سرکش عین قاہری میں بھی مقہور ہے'' ۔ انسان کو سرکشی سے دور رہنا چاہیے ۔ اس عنوان کے تحت اپنے عقاید کا اظہار کرتے ہوئے مختلف مثالیں دے کر فرماتے ہیں :

جہد کن تا نور تو رخشان شود — تا سلوک و خدمتت آسان شود
کودکان را میبری مکتب بزور — زانکہ ہستند از فوائد چشم کور
چون شود واقف بمکتب میدود — جانش از رفتن شگفتہ می شود
میرود کودک بمکتب ہیچ ہیچ — چون ندید از مزد کار خویش ہیچ
چون کنددرکیسہ دانگی دست مزد — آنگہی بیخواب گردد شب چو دزد

(دفتر ۳ ۔ شعر ۴۵۸۴ بعد)

معتزلہ کا ایک عقیدہ ہے کہ ''عقول خلق برابر ہیں اور تفاوت عقول تجربہ و تحصیل علم سے ہے'' ۔ مولانا اس کے خلاف ہیں ۔ ان کے مطابق فطرتاً ''عقول خلق متفاوت ہیں ۔'' چنانچہ اپنے اس خیال کے حق اور معتزلہ کے مذکورہ عقیدے کے رد میں انھوں نے ''کود کان مکتب'' اور ایک استاد کی داستان دی ہے کہ کس طرح ان لڑکوں نے ایک زیرک لڑکے کی تجویز پر استاد کو اس وہم میں ڈال دیا کہ وہ بیمار ہے اور اسے آرام درکار ہے ۔ بایں طور کچھ وقت کے لیے اس (استاد) سے چھٹکارا حاصل کر لیا ۔ مولانا اسی زیرک بچے کی مثال دیتے ہوئے مذکورہ بالا عقیدہ کے بارے میں فرماتے ہیں :

باطلست این ، زانکہ رای کودکی — کہ ندارد تجربہ در مسلکی
بگذرد زاندیشہ مردانِ کار — عاجز آید کار شان در اضطرار
بردمید اندیشہ ای زان طفل خرد — پیر با صد تجربہ بوئی نبرد
خود فزون آن بہ کہ آن ازفطرتست — تا ز افزونی کہ جہد و فکرت است

(دفتر سوم ، شعر ۱۵۴۲ بعد)

دفتر چہارم میں ''قصہ رستن خروب در گوشہ مسجد اقصیٰ'' میں ایک جگہ عشق اور عقل کا موازنہ کیا ہے ۔ عقل حیلوں تدبیروں سے کام لیتی ہے ، پھر بھی منزل تک پہنچانے سے قاصر ہے ۔ یہاں مولانا صرف ایک شعر میں بچوں کی مثال لائے ہیں لیکن اس ایک شعر میں عشق و معصومیت کی جس قدر جامع اور بلیغ تعریف آ گئی ہے ، وہ اپنی نظیر آپ ہے اور اس نے شعر کی تاثیر کو بھی دو چند کر دیا ہے ۔ ملاحظہ ہو :

عقل قربان کن بپیش مصطفیٰ ''حسبی اللہ'' گو کہ اللہ ام کفیٰ
ہمچو کنعان[10] سرز کشتی وا مکش کہ غرورش داد نفس زبرکش
کہ بر آیم بر سر کوہ مشید منت نوحم چرا باید کشید
کاشکی او آشنا ناموختی تا طمع در نوح و کشتی دوختی
کاش چون طفل از حیل جاہل بدی تا چو طفلان چنگ در مادر زدی

(دفتر چہارم ۔ شعر ۳۰۸ ببعد)

فرماتے ہیں کہ روح حیوانی و عقل جزوی اور وہم خیالی نسی کی مانند ہیں اور ''روح وحیی'' کہ ابدی ہے اس نسی میں گھی کی طرح پنہاں ہے ۔ اپنے اس عقیدے کو مزید واضح کرنے کے لیے تمثیل ذیل لائے ہیں :

آنچنانکہ گوش طفل از گفت مام پر شود ناطق شود او در کلام
ور نباشد طفل را گوش رشد گفت مادر نشنود گنگی شود
دائما ہر کسّر اصلی گنگ بود ناطق آن کس شد کہ از مادر شنود

(دفتر ۴ ۔ شعر ۳۰۳۸ ببعد)

مرید مقلد (جو پیر کو روتا دیکھ کر رونے لگ جاتا ہے) کی داستان (دفتر پنجم) میں ایک جگہ لفظ ''شیخ'' آ گیا ہے ۔ اس پر کہتے ہیں کہ اس شیخ سے مراد عمر رسیدہ یا بوڑھا نہیں ہے بلکہ اس سے ''پیر در عقل و معرفت'' مقصود ہے ۔ پھر فرماتے ہیں :

طفل رہ را فکرت مردان کجاست کو خیال او و کو تحقیق راست
طفل را چہ فکرت آید در ضمیر یا چہ اندیشہ کند ہمچون کہ پیر
فکر طفلان دایہ باشد یا کہ شیر یا مویز و جوز یا گربہ و نفیر
آن مقلد ہست چون طفل علیل گرچہ دارد بحث باریک و دلیل

۱۰۔ کنعان : حضرت نوح کا بیٹا ۔
۱۱۔ آشنا یعنی شنا بمعنی تیرنا ۔

آن تعمق در دلیل و در شکیل از بصیرت میکند او را گسیل
(دفتر ۵ - شعر ۱۲۸۷ ببعد)

''جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا اس خوش بخت نے امن سرمدی میں محل بنا لیا'' - اس سلسلے میں مولانا نے ایک مسخرے کی داستان دی ہے جو چادر اوڑھ کر عورتوں کی مجلس میں جا بیٹھتا ہے - یہاں بچوں کی تمثیل اس رنگ میں لائے ہیں :

ای خنک آن را کہ ذات خود شناخت اندر امن سرمدی قصری بساخت
کودکی گرید پی جوز و مویز پیش عاقل باشد آن بس سہل چیز
پیش دل جوز و مویز آمد جسد طفل کی در دانش مردان رسد
ہر کہ محجوبست او خود کودکی ست مرد آن باشد کہ بیرون از شکی ست
(دفتر ۵ - شعر ۳۳۴۱ ببعد)

''الدنیا جیفۃ و طلابہا کلاب'' کی تفسیر میں کہتے ہیں :

بہر مخمور خدا جام طہور بہر منکر آب شور پُر نفور
ہر کہ را عدل عمر ننمود دست پیش او حجاج خونی ، عادل ست
دختران را لعبت مردہ دہند کہ ز لعب زندگان ناآگہند
چون ندارند از مروت زور دست کودکان را تیغ چوبین بہتر ست
(دفتر ۵ - شعر ۳۵۹۵ ببعد)

اسی موضوع (یعنی دنیائے فانی کی بجائے آخرت کا خیال رکھنا چاہیے) پر چھٹے دفتر میں ایک شکاری کی داستان نظر آتی ہے ، جو اپنے آپ کو گھاس میں لپیٹ اور گل و لالہ سر پر رکھ لیتا ہے تاکہ پرندے اس پر گھاس کا دھوکا کھائیں - لیکن ایک پرندہ تاڑ جاتا ہے - اس میں بچوں کی جو تمثیل آئی ہے اس سے ان کا مفہوم نہ صرف نہایت واضح و روشن ہو گیا ہے بلکہ اثر انگیزی بھی بڑھ گئی ہے :

رو بخاک آریم کز وی رستہ ایم دل چرا در بیوفایان بستہ ایم
سالہا ہم صحبتی و ہمدمی با عناصر داشت جسم آدمی
روح او خود از نفوس و از عقول روح اصل خویش را کردہ نکول
از نفوس و از عقول باصفا نامہ میآید بجان کای بیوفا
یارکان پنج روزہ یافتی روز یاران کہن برتافتی
کودکان گرچہ کہ در بازی خوشند شب کشانشان سوی خانہ میکشند
شد برہنہ وقت بازی طفل خرد دزد ناگاہش قبا و کفش برد
آنچنان گرم او ببازی در فتاد کان کلاہ و پیرہن رفتش ز یاد
شب شدہ بازی او شد بی مدد رو ندارد کہ سوی خانہ رود

نی شنیدی ''انما الدنیا لعب'' باد داری رخت و گشتی مرتعب
پیش ازآنکہ شب شود جامہ بجو روز را ضایع مکن در گفتگو
من بصحرا خلوتی بگزیدہ ام خلق را من دزد جامہ دیدہ ام
نیم عمر از آرزوی دوستان نیم عمر از غصہ ہای دشمنان
جبہ را برد آن ، کلہ را این ببرد غرق بازی گشتہ ماچون طفل خرد

(دفتر ششم - شعر ۳۳۷ ببعد)

عاشقان صادق کے لیے نیند حرام ہے - اس سلسلے میں ایک عاشق کی داستان ہے جو اپنے محبوب کے وعدے کے مطابق ایک مقررہ جگہ پر رات کے وقت آتا ہے لیکن رات کا کچھ حصہ انتظار کرنے کے بعد اسے نیند آ جاتی ہے - اس تمثیل میں ''طفل'' کے استعمال نے ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے - وہ عاشق :

ساعتی بیدار بد ، خوابش گرفت عاشق دلدادہ را خواب ؟ ای شگفت

آدھی رات کے وقت محبوب آتا ہے تو :

عاشق خود را فتادہ خفتہ دید اندکی از آستین او درید
گردکان چندش اندر جیب کرد کہ ''تو طفلی، گیر این ، میباز نرد''

صبح جب عاشق بد بخت اپنی آستین اور اخروٹ دیکھتا ہے تو :

گفت شاہ ما ہمہ صدق و صفاست آنچہ بر ما می رسد آن ہم ز ماست

(دفتر ۶ - شعر ۶۰۱ ببعد)

مثنوی کے آخر میں ایک بادشاہ اور اس کے تین بیٹوں کی کہانی ہے جس میں بادشاہ کی وصیت اور بعض شہزادوں کے چین میں جا کر عزت پانے اور مرنے کا ذکر ہے - اس کہانی کو بنیاد بنا کر مولانا اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں ، کہ ''یہ ظاہری طمطراق اور عہدے عارضی و فانی چیزیں اور تمام نقش و نگار مٹ جانے والے ہیں - باقی رہے نام اللہ کا - اور ہاں اللہ والوں کی چمک دمک اور ان کا صدق و تقویٰ بھی ابد تک قائم رہے گا ، گو ان کا جسم فنا ہو چکا ہوگا'' - اس کہانی میں طفل و کودک کی تمثیل خاصی طویل آ گئی ہے :

رنگ باق صبغۃ اللہ است و بس غیرآن ہر بستہ دان ہمچو جرس
خاک را رنگی و فرہنگی دہد ہمچو کودک مان برآن جنگی دہد
از خمیری اشتر و شیری پزند کو دکان از حرص آن کف میمزند
شیر و اشتر نان شود اندر دہان در نگیرد این سخن با کودکان
دامن پر خاک ما چو کودکان رفتہ از سر جہد اسباب و دکان
کودک اندرجہل وپندارو شکست شکر باری قوت او اندکست
وای زان طفلان کہ پیری میکنند لنگ موراند و میری میکنند

طفل را استیزہ و صد آفت است — شکر آن کو بی فن و بی آلت است
وای زان پیران طفل نا ادیب — گشتہ از قوت بلای ہر لبیب
چون سلاح و جہل جمع آمد بہم — گشت فرعونی جہانسوز از ستم
(دفتر ششم - شعر ۴۷۱۱ ببعد)

اسی میں آگے چل کر تاجروں کا ذکر آ گیا ہے :

چون بریشم خاک را بر می‌تنند — خاک بر چشم تمیز میزنند
جندلی را رنگ عودی میدہند — ہر کلوخیان حسودی میدہند
پاک آن کو خاک را رنگی دہد — ہمچو کودکان برآن جنگی دہد
دامن پر خاکان چو کودکان — در نظرمان خاک ہمچو زر کان
طفل را با بالغان نبود جدال — طفل را حق کی نشاند با رجال
میوہ گر کہنہ شود تابست خام — پختہ نبود غورہ خوانندش بنام
گر شود صد سالہ آن خام ترش — طفل و غورہ است او بر تیز ہش
گر چہ باشد ریش و موی او سپید — ہم درآن طفلی خوفست و امید
ماند خواہم نا رسیدہ یا رسم — حق کند با من غضب یا خود کرم
گر رسم یا نا رسیدہ ماندم — ای عجب بامن کند کرم آن کرم
با چنین نا قابلی و دوری — بخشد این غورہ مرا انگوری

(ایضاً - شعر ۴۷۳۱ ببعد)

پھر مذکورہ اشعار سے چند اشعار کے بعد اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی و کریمی کا ذکر کرتے ہیں کہ اس کی طرف سے ہر لحظہ ''لا تقنطوا'' کی آواز آ رہی ہے - اس میں چلتے چلتے کوہ و خشت اور زمین کے الفاظ آ جاتے ہیں جن پر اظہار خیال کرتے ہوئے بچوں کا ذکر اس طرح لائے ہیں :

این زمین چون گہوارہ کودکان — بالغان را تنگ می دارد مکان
بہر طفلان حق زمین را مہد خواند — شیر در گہوارہ بر طفلان فشاند
خانہ تنگ آمد ازین گہوارہا — طفلکان را زود بالغ کن شہا
ہان مکن ای گاہوارہ خانہ تنگ — تا تواند رفت بالغ بی درنگ

(ایضاً - ۴۷۵۵ ببعد)

آخر میں مختلف مقامات سے بغیر کسی ربط کے چند ایسے اشعار ملاحظہ ہوں جن میں طفل و کودک کی تمثیل آئی ہے :

دفتر اول

طفل تا گیرا و تا پویا نبود — مرکبش جز گردن بابا نبود
چون فضولی کرد و دست و پا نمود — در عنا افتاد و در کور و کبود

طفل بادایہ نہ استیزد ولیک گرید او گرچہ نہ بد داند نہ نیک
طفل میارزد ز نیش احتجام مادر مشفق در آن غم شاد کام
طفل را گر نان دہی بر جای شیر طفل مسکین را ازان نان مردہ گیر
چونکہ دندانہا بر آرد بعد ازآن ہم بخود گردد دلش جویای نان
طفل شد مکتب پی کسب ہنر بر امید مرغ و یا لطف پدر
پس ز مکتب آن یکی صدری شدہ ماہیانہ دادہ و بدری شدہ

دفتر دوم :

صوفی صورت مپندار ای عزیز ہمچو طفلان تا کی از جوز و مویز
از حجامت کودکان گریند زار کہ نمیدانند ایشان سرّ کار
حق تعالیٰ گفت این کسب جہان پیش آن کسبست لعب کودکان
کودکان سازند در بازی دکان سود نبود جز کہ تعطیل زمان
شب شود در خانہ آید گرسنہ کودکان رفتہ بماندہ یک تنہ

دفتر سوم :

غم یکی گنجست و رنج تو چو کان لیک کی در گیرد این در کو دکان
کودکان چون نام بازی بشنوند جملہ با خرگور ہمتگ میشوند
طفل را چون پا نباشد ، مادرش آید و ریزد وظیفہ بر سرش

دفتر چہارم :

کودکان گرچہ بیک مکتب درند در سبق ہر یک ز یک بالا ترند
چونکہ با کودک سر و کارم فتاد ہم زبان کودکان باید گشاد
کہ برو کتاب تا مرغت خرم یا مویز و جوز و فستق آورم

دفتر ششم : (شعر ۲۲۵۳ ببعد)

باز گرد از بحر و رو در خشک نہ ہم ز لعبت گو کہ کودک راست بہ
تا ز لعبت اندک اندک در صبا جانش گردد با یم عقل آشنا
عقل ازان بازی ہمی یابد صبی گرچہ با عقلست در ظاہر ابی
کودک دیوانہ بازی کی کند جزو باید تاکہ کل را پی کند

غرض ان مقامات کے پیش نظر ، جہاں مولاناؒ نے ''طفل و کودک'' کی تمثیلات دی ہیں ، بخوبی کہا جا سکتا ہے کہ ان میں مثنوی یا بالفاظ دیگر مولانا کے فلسفہ و عقائد کا پورا نچوڑ سمٹ آیا ہے ، اور اس لحاظ سے ان تمثیلات کا مثنوی میں ایک خاص مقام اور اہمیت ہے -